بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مولانا شبلی اور مولانا حالی دونوں ہم عصر تھے اور ایک دوسرے کے علم و فضل کا اعتراف کھلے دل سے کرتے تھے لیکن ان کے انتقال کے بعد خواہ مخواہ شبلی گروپ اور حالی گروپ کے نام سے ارباب علم و ادب کی دو جماعتیں بن گئیں اور اس پر بحث کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا کہ شبلی اور حالی میں کس کا مرتبہ اونچا ہے۔ اس بحث اور اس کے متعلقات و لوازم کی وجہ سے جو تلخیاں اور ناگواریاں پیدا ہوئیں اب تک بہت سے حضرات ان کو فراموش نہ کر سکے ہوں گے کہ اب بعض حلقوں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہما کے مقابلہ و موازنہ کے ایک جدید فتنے نے سر اٹھایا ہے اور اس کی ناگواری اور تلخی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کو تمام معاصر علماء و فضلاء کے ساتھ یکساں عقیدت و ارادت نہیں ہوتی بلکہ اپنے اپنے مذاق و رجحان طبعی کے مطابق کسی سے کم عقیدت ہوتی ہے اور کسی سے زیادہ اور کسی سے بالکل ہی نہیں ہوتی لیکن منطق یا معقولات کا یہ کون سا اصول ہے کہ اپنے ہیرو کی عظمت اس وقت تک ثابت ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے معاصر کی قبائے علم و فضل کو داغدار نہ کیا جائے اور اس پر کیچڑ نہ اچھالی جائے! مولانا ابوالکلام اور سید صاحب دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اس لئے یوں بھی اذکروا موتاکم بمحاسنہم کے حکم کے مطابق ضروری تھا کہ اس بحث سے گریز کیا جاتا۔ بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں سے کون خالی ہے؟ قرآن میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" اس لئے سلامت روی کا تقاضا یہ ہے کہ خالص علمی تنقید سے قطع نظر جہاں تک ذاتی اوصاف و عادات کے ذکر کا تعلق ہے اچھائیاں بیان کی جائیں اور برائیوں سے کفِ لسان کیا جائے۔ ایک معاشرہ صالح معاشرہ اسی وقت رہ سکتا ہے جب کہ شرافت و انسانیت کے ان مقتضیات کی اس میں رعایت کی گئی ہو۔ پھر لطف یہ ہے کہ ان دونوں مرحومین کے ساتھ بعض حضرات نے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو بھی گھسیٹ بلایا ہے اور ان کو بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے رقیب کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ ایک پاکستانی ماہنامہ کے مدیر شہیر نے گزشتہ مارچ کی اشاعت میں مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ سخت ناشائستہ اور توہین انگیز الفاظ میں کیا ہے جس کو پڑھ کر مولانا امین احسن اصلاحی بھی تڑپ

رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنے جریدہ "میثاق" میں اس پر شدید غیظ و غضب اور صد درجہ غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور پاکستانی معاصر نے جو باتیں مولانا کی نسبت ناشائستہ لب و لہجہ میں کہی تھیں ان سب کا ایک ایک کر کے مسکت جواب دیا ہے۔ یاد ہوگا اسی معاصر نے مولانا کی زندگی میں بھی مولانا کے متعلق اسی طرح کا ایک انتہائی دل آزار اور توہین انگیز مضمون ۵۲ء میں شائع کیا تھا جس کی نسبت بعض ترجمانِ اسرارِ نہانی کا خیال ہے کہ معاصر نے یہ مضمون خود نہیں لکھا تھا۔ بلکہ وہ ملأ اعلیٰ کی طرف سے القائے نفس کا نتیجہ تھا۔ بہرحال حقیقت جو کچھ بھی ہو غالباً مولانا کی زندگی میں جو مضمون لکھا گیا تھا وہ بادہ بقدرِ ظرف نہیں تھا کہ اب ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد رہی سہی کسر کو پورا کرنے کی سوجھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص کا ظرف کس قدر وسیع ہے؟ اور اسلامی تعلیمات کا اثر اس کی طبیعت پر کتنا ہے؟ اس کا صحیح اندازہ اُس وقت نہیں ہوتا جب کہ وہ اپنے کسی ممدوح کی نسبت کلام کرتا ہے بلکہ اُس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ کسی ایسے شخص کے بارے میں لب کشائی کرتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہوا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک صاحب نے محنتِ شاقہ انگیز کر کے (جس کی واقعی داد دینا ظلم ہے) ایک طویل "محققانہ" مضمون لکھا ہے اور اس ساری ریسرچ کا حاصل یہ ہے کہ الہلال کا مطبوعہ مضمون "شہیدِ اکبر" سید صاحب کا نہیں بلکہ مولانا ابوالکلام کا تھا۔ اس کے بعد ایک صاحب کو جوش آیا اور انھوں نے بتایا کہ الہلال میں "اسلام اور اشتراکیت" کے عنوان سے جو مقالہ سید صاحب کے نام سے چھپا تھا وہ دراصل مصر کے ایک اہلِ قلم کے مضمون کا ترجمہ تھا اور سید صاحب نے بلا حوالہ کے اسے اپنی طرف منسوب کر لیا تھا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی خوردہ گیری کا مقصد کیا ہے؟ اول تو مذکورۂ بالا دونوں امور میں گفتگو کی گنجائش اب بھی باقی ہے لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ دونوں ہی باتیں درست ہیں تو اب سوال یہ کہ ان سے سید صاحب کی اُس عظمت پر کیا اثر پڑا جو انھیں بلند پایہ محقق اور مصنف ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔ ظاہر ہے سید صاحب کی عظمت کا دارومدار ان دو مضمونوں پر نہیں۔ بلکہ ارض القرآن، عرب و ہند کے تعلقات، خیام، سیرت النبیؐ وغیرہ کتابوں اور سینکڑوں بلند پایہ تحقیقی مقالات و مضامین پر ہے،

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ خود ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات کس درجہ خوشگوار اور دوستانہ تھے۔ سید صاحب نے معارف میں اپنے قلم سے مولانا ابوالکلام کی اس قدر تعریف کی ہے کہ مولانا کا بڑے سے بڑا مداح بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا، دوسری جانب اگرچہ مولانا کسی معاصر کی تعریف میں سخت کوتاہ قلم اور کوتاہ زبان واقع ہوئے تھے اور اس پر وہ فخر بھی کرتے تھے۔ بایں ہمہ ان کو سید صاحب سے اور سید صاحب کے دار المصنفین سے